بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نظرات

النباء العظیم

ان لوگوں سے قطع نظر جو کسی جارحیت پسندانہ ذہن یا عقیدہ کے باعث بڑے سے بڑے جرم اور گناہ کو بھی درست اور صحیح سمجھتے ہیں۔ ایک عام نفسیاتی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کسی خاص جذبہ کے ماتحت جب کوئی بُرا کام کرتا ہے تو یہ سمجھتے ہوئے کرتا ہے کہ وہ برا ہے لیکن جب وہ اس کام کو دوبارہ کرتا ہے۔ تو اس کی برائی کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کئی مرتبہ کی تکرار کے بعد اس کام کی برائی کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔ اب وہ اپنے فعل پر ندامت نہیں بلکہ فخر محسوس کرتا ہے۔ اور اگر کوئی اسے ملامت کرتا اور برا بھلا کہتا ہے تو وہ تاویل و توجیہہ کرنے لگتا ہے۔ انسانی عمل و کردار کا یہی وہ مقام ہے جسے مذہب کی زبان میں تسویلِ شیطان کہتے ہیں۔ یہ نفسیاتی حقیقت جس طرح افراد و اشخاص پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح جماعتوں اور قوموں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گجرات کے فسادات کے سلسلہ میں متعدد انگریزی اخبارات نے اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس درجہ ہولناک تباہی و بربادی کے بعد بھی وہاں کی اکثریت میں

بحیثیت مجموعی ندامت اور پشیمانی (Repentence) کے آثار نہیں پائے جاتے ــــ یہ اگر صحیح ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ بدقسمتی سے ہمارا سماج اور معاشرہ جو بائیس برس سے مسلسل آگ اور خون کی ہولی کے مناظر دیکھتا چلا آرہا ہے۔ اور جس کے نوجوان اسی ماحول اور فضا میں پیدا ہوئے اور پل بڑھ کر بڑے ہوئے ہیں اب وہ عمل و کردار اور ذہن و تخیل کے اسی مقام پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں مذکورۂ بالا نفسیاتی حقیقت کا ظہور ہوتا ہے۔

اس کی مزید تائید و توثیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اکثریت میں ایک طبقہ کا یہ وطیرہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں فساد ہوا تو بجائے اس کے کہ بہ حیثیت انسان کے مظلومین اور بلاکشانِ رنج و مصیبت کے لئے اس کی زبان سے ایک دو لفظ ہمدردی کے اور ظالموں کے فعل پر اظہارِ مذمت کے نکلیں۔ یہ فوراً انہیں غریبوں کو جلی کٹی باتیں سنانی شروع کر دیتا ہے۔ جس کے معنی بالواسطہ یہ ہوئے کہ کشت و خون اور سلب و نہب کا ہنگامہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا اس میں وہ معذور تھے اور اس لئے کسی سزا کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ طبقہ اپنے دل کا کپٹ اس قسم کی باتیں کہہ کر ظاہر کرتا ہے (۱) فساد کی پہل مسلمانوں نے کی تھی۔ (۲) مسلمان پاکستان دوست ہیں۔ (۳) مسلمان قومی دھارے سے الگ ہیں۔ اور کسی کی دلیل یہ ہے کہ ان کا پرسنل لا الگ ہے۔ (۴) جب تک وہ ہندو کلچر اور تہذیب اختیار نہیں کریں گے وہ ملک کے شہری نہیں ہو سکتے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ وہ عام باتیں ہیں جن کو اس طبقہ کے افراد ہر بڑے فساد کے بعد تحریروں اور تقریروں میں برملا کہہ کے مسلمانوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے اور اس طرح خود اپنی شرافت کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ احمد آباد اور گجرا .... جس نے گزشتہ تمام فسادوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔ اس کے بعد دنیا نے بڑی حسرت اور تعجب سے دیکھا کہ اس مرتبہ اس ننگِ انسانیت طبقہ کی ہم نوائی کا شرف بھودان تحریک کے ایک عظیم لیڈر کو بھی حاصل

تھا، جس کو پاکستان تک میں انصاف پسند کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ غور کیجئے تو اس کا سبب بجز اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ فسادات کے تسلسل اور ان کی یکسانیت نے ہندوستانی سماج کے ضمیر کو بے حس اور بے جان اس حد تک کر دیا ہے کہ ایک خاص اقلیت کے ساتھ اب ظلم ظلم نہیں رہا۔ بلکہ لڑکوں کا کھیل بن گیا ہے۔

آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہی چھوٹے چھوٹے واقعات جن کی بہ قول شخصے ابتدا مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے اور جو فساد کا باعث بنتے ہیں۔ یہ بلکہ ان سے بھی بڑے بڑے واقعات ہندوؤں میں آپس میں یا ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات افراد و اشخاص تک محدود رہتے ہیں اور فساد برپا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس کسی مسلمان کی طرف سے پتہ بھی کھڑکتا ہے تو فرقہ وارانہ فساد کا ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ مختلف تاریخی اور سیاسی عوامل کے باعث ملک کی تقسیم کے وقت مسلمانوں کے متعلق ہندو سماج کا جو عام ذہن تھا۔ آزادی کے بعد اس کی اصلاح کی کوئی ذرا سی کوشش بھی نہیں کی گئی۔ اور نہ صرف یہ کہ کوشش نہیں کی گئی، بلکہ ایک طبقہ کیطرف سے جو مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے فسطائی رجحانات رکھتا تھا۔ ہندو سماج کے اس عام ذہن کو مسموم سے مسموم تر کرنے کی باقاعدہ اور مثبت مہم چلائی گئی۔ اس سلسلہ میں نصابِ تعلیم کے ذریعہ بچوں کے ذہن کو متاثر کیا گیا۔ نیم فوجی تنظیمات کے ذریعہ نوجوانوں کے دماغ میں اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب کے خلاف نفرت اور عناد کے زہریلے جراثیم پیدا کئے گئے۔ اور اخبارات و رسائل میں غلط سلط تاریخی واقعات کا حوالہ دیکر عام لوگوں میں ملک کی اس عظیم اقلیت کے خلاف بد دلی، بیزاری اور استخفاف کے جذبات ابھارے گئے۔ ظاہر ہے ہندوؤں میں ایک عظیم اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے

جو اس جارحیت پسند طبقہ کے ہم نوا اور ہم خیال نہیں ہیں. لیکن جب کسی ایک خاص فرقہ کے متعلق ایک طبقہ کی طرف سے مسلسل بائیس برس تک نہایت منظم طریقہ سے اور اشاعت و تبلیغ کے تمام جدید وسائل و ذرائع کی مدد سے ایک بات جو خواہ فی نفسہٖ کتنی غلط اور بے بنیاد ہو، یکسانیت اور پوری طاقت و قوت سے کہی جاتی رہی ہو تو انسان بہرحال انسان ہے اچھے اچھے سنجیدہ فکر لوگوں کا بھی کسی نہ کسی حد تک اس سے متاثر ہو جانا لازمی ہے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ملک کی سیاسی جماعتوں کے باہمی فکری و نظری اختلافات کے باوجود جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہندو سماج کا عام ذہن ان کی طرف سے صاف نہیں ہے اور وہ نیم شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کو ہندوستانی قومیت کا جز تسلیم نہیں کرتا۔

اللہ تعالےٰ غریق رحمت کرے مولانا محمد حفظ الرحمن کو. ایک مرتبہ بریلی کے ایک عظیم الشان مجمع میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے بڑی صفائی اور قوت سے کہا تھا کہ لوگ متحدہ قومیت کی بات کرتے ہیں۔ یہ ہے کہاں ؟ میں تو متحدہ قومیت اس دن سمجھوں گا جب کہ ایک مسلمان بھرے بازار میں ایک ہندو کے چپت مارے اور پھر ہندو مسلم فساد نہ ہو۔

بہرحال یہ ہے مسلمانوں کے متعلق ایک عام ہندو سماج کا مشتبہ اور ناصاف ذہن اور ذہنیت جس کی آڑ میں فتنہ پرور اور فساد پسند لوگوں کو جہاں کوئی جھوٹا یا سچا بہانہ ملا اپنی من مانی کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی وہ ذہن ہے جس کے باعث اکثریت کے امن پسند حضرات اور پولیس اور حکام اپنے وہ فرائض انجام نہیں دیتے جو اس قسم کے موقع پر انہیں انجام دینے چاہیئے۔ بازار میں چند آدمی "چور چور" کا شور مچا کر کسی ایک شخص کو پکڑ کر زدو کوب کرنے لگیں تو کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں کہ کسی شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا حق نہیں ہے. وہ بھی ایک نگاہ غلط انداز سے "چور" کے پٹنے کا تماشہ

دیکھتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر اپنی دکانوں پر بیٹھے رہ جاتے ہیں کہ "اسے مار و مت اسے تھانہ لے جاکر پولس کے حوالے کر دو" کہتے ہوئے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ملک کے سماج میں آج مسلمانوں کی مثال اسی "چور" کی سی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے متعلق ہندو سماج کے اس عام ذہن اور ذہنیت کی تعمیر میں کچھ تھوڑا بہت دخل خود مسلمانوں کا بھی ہے۔ تقسیم کے بعد ان پر خوف و ہراس اور مایوسی و ناکامی کے احساس کا غلبہ ہوا، تو انہوں نے آنکھیں بند کر کے ملک کی سب سے بڑی اور با اقتدار سیاسی جماعت سے اپنی تمام امیدیں۔ اور تمنائیں وابستہ کر لیں۔ اور اس کے سہارے جینے کی قسم کھا کر بیٹھ رہے۔ خود حریتِ فکر اور خود اعتمادی کے ساتھ انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ اب جب کہ ملک کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں اور ملک جمہوریت اور سیکولرزم کے اس دور میں آزادی کی فضا میں سانس لے رہا ہے۔ انہیں اپنی تعمیرِ نو کے لئے کیا کچھ کرنا ہے۔ اور کس طرح کرنا ہے، ملک کو آزاد ہوئے ایک ربع صدی ہونے کو آئی لیکن نہایت افسوس اور بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج تک مسلمانوں نے کل ہند سطح پر کوئی کام ایسا نہیں کیا جس کو دیکھ کر یہ کہا جا سکے کہ اس ملک کی ایک عظیم اقلیت نے وقت کی آواز کو سن لیا ہے اور وہ ایک انقلابی فکر و ذہن کے ساتھ مثبت جدوجہد اور عمل کے میدان میں گامزن ہو گئی ہیں۔ فآھا ثم آھا ثم آھا۔

مسلمانوں نے کبھی اس حقیقت کو محسوس نہیں کیا کہ جس قوم کو اپنے پرانے کھنڈروں پر تعمیرِ نو کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور مقدم شرط تین چیزیں ہیں۔ ایک اجتماعی یک جہتی اور یگانگت۔ دوسری صبر، مگر وہ صبر نہیں جو اضطراری ہو۔ بلکہ اختیاری اور مایوسی کے ساتھ نہیں۔ بلکہ عزم و ہمت اور حوصلہ کے ساتھ اور تیسری چیز ہے

ضبط نفس (Self Control) جن لوگوں کو اپنی تعمیر کرنی ہوتی ہے وہ کسی کے لعن طعن اور حرف گیری کی پروا بالکل نہیں کرتے۔ اور خاموشی سے مگر ہمت و استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ آخر ایک وقت آتا ہے۔ جب کہ ان کو اپنے تعمیری منصوبہ میں کامیابی ہوتی ہے اور اب ان کے بڑے سے بڑے مخالف اور نکتہ چین بھی انکے مداح اور قدردان بن جاتے ہیں۔ تاریخ کے اوراقِ پارینہ کو کھنگالنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے زمانہ میں جرمنی اور جاپان اسرائیل اور خود اس ملک کے عیسائیوں اور سکھوں کی مثال سبق آموزی کے لئے کافی ہے۔

~~~~~~~~

آجکل ہر شخص پوچھتا اور غور کر رہا ہے کہ ان فسادات کی جڑ کہاں ہے؟ ہم نے ابھی بتایا کہ ان کی جڑ مسلمانوں کے متعلق ہندو سماج کا یہ ذہن اور ذہنیت ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ذہنیت جس مادہ سے بنی ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی دو چیزیں ہیں، ان میں سے ایک کا تعلق حکومت اور اکثریت کے ساتھ ہے اور دوسری کا خود مسلمانوں کے ساتھ۔ جہانتک حکومت اور اکثریت کا تعلق ہے ابھی حال میں نئی دہلی میں قومی یک جہتی کونسل کی مجلس قائمہ کی جو میٹنگ ہوئی تھی اور اس میں جن سنگھ سے قطع نظر وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور دوسری جماعتوں کے نمائندوں کا جو رول رہا۔ اور پھر جو تجویز منظور ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر توقع ہوتی ہے کہ شاید حد سے گزر کر درد کے دوا ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ بہرحال قافلہ نے اپنی سمت صحیح متعین کرلی ہے۔ اب یہ سفر کب شروع ہوتا ہے اور کیوں کر اس کی تکمیل ہوگی؟ اس کا جواب مستقبل ہی دے سکتا ہے۔ اب رہا دوسرا جز جس کا تعلق مسلمانوں کی اپنی ذات سے ہے تو اس کے لئے اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب کہ ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرسید جیسی کوئی صحیح لیڈر شپ اور قیادت پیدا ہو۔
~~~~~~~~